اداریہ

☆ آزاد اور خود مختار احتساب کمیشن

☆ نشتر ہسپتال اور مریضوں کی حالتِ زار

حکیم ضیاء الرحمٰن (جولائی 1996)

نئے سال کے بجٹ نے اس احساس کو اور تیز کر دیا ہے کہ پاکستان کے اقتصادی اور معاشی معاملات اتنے گمبھیر ہو گئے ہیں کہ ان میں کسی انقلابی تبدیلی یا قوم کیلئے خوشیوں کے پیغام کی کوئی گنجائش ہی نہیں قرضوں کی ادائیگی اور ملکی دفاعی ضروریات پر قومی آمدنی کا اتنا بڑا حصہ اٹھ جاتا ہے کہ قومی معیار بلند کرنے اور ملک میں بنیادی ڈھانچہ کی تعمیر کیلئے بس اتنا بچتا ہے جسے ہم ’’اونٹ کے منہ میں زیرہ‘‘ سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

اقتصادی صورتحال کس قدر نازک ہے اس کا مژدہ تو اہل اقتدار گذشتہ کئی سالوں سے سناتے آ رہے ہیں لیکن اس مرتبہ صورت کچھ مختلف نظر آ رہی تھی۔ بہت سی تاجر تنظیموں نے بجٹ کے اعلان سے قبل ہی ٹیکسوں کا بائیکاٹ کرنے کی دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ بلکہ بعض تنظیموں نے تو یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی سرکاری اہلکار ٹیکس وصول کرنے آیا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ آخر قوم کب تک اور کہاں تک ٹیکسوں کا بوجھ برداشت کر سکتی ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں کچھ اس طرح ٹیکسوں کی تمام شعبہ ہائے زندگی میں بھرمار ہوئی ہے کہ اب صرف سانس لینے پر ٹیکس لگنا باقی رہ گیا ہے قوم کے بگڑے ہوئے تیور کو دیکھتے ہوئے پچھلے ماہ محترمہ وزیر اعظم صاحبہ نے تاجر تنظیموں سے خطاب کرتے ہوئے باقاعدہ بلیک بورڈ پر ایک استاد کی طرح ملک کی اقتصادی صورت حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ٹیکس لگانے کی حکومتی مجبوری سے آگاہ کیا جسے ٹی وی پر بھی دکھایا گیا لیکن اس کے باوجود جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس کے کوئی اچھے اثرات قوم پر مرتب نہیں ہو سکے۔ اور وزیر اعظم کے محض اعداد و شمار بتا دینے سے قوم کے تن مردہ میں جان نہیں ڈالی جا سکی۔ قوم کو ایک نیا عزم اور ایک نیا شعور عطا کرنے کیلئے سیاسی قیادتوں کو ایک جامع پروگرام وضع کرنا اور سب سے پہلے خود انہیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ سیاستدان قوم کے کھربوں روپے مختلف حیلوں بہانوں سے دبائے بیٹھے ہیں آخر یہ قومی رہنما اتنی بڑی رقم کیوں وصول نہیں کرتے۔ ان کی کون سی ایسی مجبوریاں ہیں جو قرضوں کی وصولی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ ٹیکس لگانے کیلئے تو قوم اور تاجر برادری کو اعتماد میں لینے کیلئے ٹی وی پر خطاب کیا جاتا ہے لیکن کھربوں روپے کا قومی سرمایہ چند لوگوں سے اب تک وصول نہیں کیا جا سکا۔ اس سلسلہ میں ٹی وی پر کوئی اعلیٰ سطحی مذاکرہ آخر کیوں نہیں کرایا جا سکا اور قوم کو اعتماد میں لینے کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی۔

حکومت نے نجی شعبے کے لئے سازگار ماحول فراہم کرنے کی قابل ستائش کوششیں کی ہیں معاشی عمل کو غیر ضروری پابندیوں سے آزاد بھی کر دیا ہے۔ اندرونی اور بیرونی سرمایہ کاری کیلئے ترغیبات ایک کا چمن سجا دیا ہے اور بقول حکومت کے ان اصلاحات کے بعد شعبوں میں حوصلہ افزاء نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔۔۔ لیکن قوم کی پسماندگی تو جوں کی توں ہی نہیں بلکہ انتہائی سطح سے بھی گرتی چلی جا رہی ہے اور مستقبل قریب میں اس کی بہتری کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ بیروزگاری نے سارے معاشرتی اور سیاسی ڈھانچے کو ہلا ڈالا ہے۔ مہنگائی ہر غریب اور سفید پوش کو ڈس رہی ہے۔ بیروزگاری اور مہنگائی نے آدھی قوم کو چور ڈاکو اور بددیانت بنا کر رکھ دیا ہے۔ گذشتہ ماہ ملتان میں ایس پی سٹی ملتان کی قیادت میں ڈاکوؤں کا ایک ایسا گروہ پکڑا گیا جو سب کے سب ٹین ایجز کے لڑکے تھے۔ ان بچوں کو چور ڈاکو کس نے بنا دیا۔ ان کے تو ہنسنے کھیلنے کے دن تھے۔ ڈاکو بچوں کا یہ گروہ جب سزایاب ہو کر جیل جائے گا تو پھر ان کا مستقبل کیا ہوگا یہ ہر صاحب دل اور ذی شعور شخص اچھی طرح جانتا ہے یہ معصوم بچے جنہیں ہمارے غلط نظام حکومت نے جرائم کرنے پر مجبور کیا ہے، کل کے نامی گرامی ڈاکو بن کر نکلیں گے۔

ہر سال بجٹ میں اعداد و شمار کے خوشنما جال بچھانے کے بجائے ارباب اقتدار کو زندگی کا ایک نیا اسلوب اختیار کرنے اور اسے عوام کے اندر مقبول بنانے کی فکر کرنی چاہئے اس سے قوم تہذیبی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں سے محفوظ ہو جائے گی قیادت اور قوم کے درمیان اعتماد کا رشتہ بھی قائم ہوتا چلا جائے گا۔ آج حکومت کی طرف سے جب سادگی اختیار کرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ خود ارباب حکومت کیا کرتے ہیں ان کے ایک شہر سے دوسرے شہر جانے پر اتنے مصارف کیوں ہوتے ہیں اعلیٰ حکام شہزادوں کی سی زندگی کیوں بسر کرتے ہیں دیکھتے دیکھتے ایک سے ایک بڑا عالیشان محل نما بنگلہ کیسے تیار ہو جاتا ہے اور مراعات یافتہ طبقہ محض سر درد کے علاج کیلئے بیرون ملک ہی علاج کیوں کراتا ہے اور اس پر قوم کے لاکھوں ڈالر کیوں خرچ کر دیئے جاتے ہیں جبکہ قوم کے پاس مختلف سرکاری بل ادا کرنے کے بعد دوا کیلئے بیس روپے بھی نہیں بچتے۔

آج کی اہم قومی ضرورت ایک غیر جانبدار اور دیانتدار قومی احتسابی کمیشن ہے جو مستقل بنیادوں پر کام کرے اور اتنا بااختیار کہ صدر وزیر اعظم وزراء سیاستدان اور نوکر شاہی سب اس کی زد میں رہیں۔ کیونکہ اگر بااثر افراد اور خاندان بنکوں سے اربوں کھربوں روپے لے کر ہضم کر جائیں اور ان کا مواخذہ سرے سے نہ ہو۔۔۔ جب سرکاری معاملات میں امانت کا تصور ہی دھندلا جائے تو پھر یہ چور دروازے کھلتے رہیں گے۔ احتساب نہ ہونے کے سبب سرکاری افسر، صنعتکار، تاجر، جاگیردار وزراء اتنے بے لگام ہو چکے ہیں کہ

ملک انارکی کا شکار ہو چکا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ ملک کے اقتصادی اور معاشرتی نظام کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ سرکاری خزانے پر جس کا بس چلتا ہے گدھ کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے اور قوم غیر یقینی اور کسمپرسی کے عالم میں پڑی ہر روز قیمتوں میں اضافے اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر غیض وغضب کا شکار ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہمارے سیاستدان نے اربوں روپے کا قومی سرمایہ جو قرضوں کی شکل میں ان کے پاس قومی امانت ہے قوم کو خوشی خوشی واپس نہ کیا اور ذاتی کے بجائے قومی مفاد کو مدنظر رکھ کر اپنے وسائل کو محروم طبقوں کی طرف منتقل کرنے میں سبقت لے جانے کا مظاہرہ نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں رہا جب بپھرے ہوئے بھوکے ننگے لوگوں کے غضب سے انہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔

نشتر ہسپتال اور مریضوں کی حالت زار

گذشتہ ماہ پیپلز لیبر ورکرز اتحاد ملتان کے عہدے داروں نے نشتر ہسپتال ملتان کے مختلف وارڈں کا دورہ کرنے کے بعد ایک پریس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ایشیاء کے سب سے بڑے اور عظیم ہسپتال نشتر ہسپتال کو تباہ ہونے اور بڑے بڑے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی لوٹ کھسوٹ سے بچایا جائے اور مریضوں کے بروقت علاج اور ادویات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ وفد کے ارکان نے کہا حکومت سے بھاری تنخواہیں اور دیگر بے شمار مراعات حاصل کرنے والے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کے خلاف سخت قانونی کاروائی کی جائے جو ہسپتال کو اپنے ذاتی کلینک چلانے کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ وفد میں ورکرز اتحاد کے چیئرمین الٰہی بخش لغاری کے علاوہ اخبار فروش یونین کے سرپرست اعلیٰ خواجہ محمد رمضان، سینئر نائب صدر اقلیتی ونگ شوکت مسیح، کالونی لڑکے وحی محمد اور دیگر عہدے دار شریک تھے۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں نشتر ہسپتال میں داخل مریضوں کے مسائل اور ہسپتال کی صفائی ستھرائی اور چاروں طرف پھیلی بدبو کے سلسلے میں جن شکایات کی نشاندہی کی ہے اس کا تجربہ راقم الحروف کو بھی گذشتہ دنوں ہو چکا ہے۔ میرا بیٹا عبید الرحمٰن ۱۲ اپریل کو ایک خوفناک حادثے کا شکار ہو گیا۔ اس کی پسلیاں، بازو اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ سر میں شدید چوٹ کے سبب بے ہوشی (Cauma) میں چلا گیا۔ اور پھر اگلے ڈیڑھ ماہ تک ڈاکٹروں اور وارڈ کے دوسرے عملہ کی عدم توجہی نے اسے جس حال کو پہنچایا وہ ایک الگ داستان ہے۔ اپنے جواں سال بیٹے کیلئے ہم کچھ بھی کر سکتے تھے اور کر بھی رہے تھے لیکن ڈاکٹروں کی بے حسی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ہم عبید الرحمٰن کو پرائیویٹ ہسپتال میں منتقل کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ جہاں الحمدللہ اب وہ روبصحت ہے۔ میرے پاس وسائل تھے۔ میں بچے کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن وہ غریب ونادار مریض کدھر جائیں جن کے پاس نہ مالی وسائل ہیں اور نہ سفارش۔ حد یہ ہے کہ ایک ضعیف مریضہ کو لیبارٹری ٹیسٹ کیلئے پندرہ دن بعد کی تاریخ دی گئی جبکہ وہ بیچاری متعلقہ تاریخ سے قبل ہی یہ جانے بغیر مر گئی کہ آخر مجھے تکلیف کیا تھی۔

نشتر ہسپتال میں مریضوں کے ساتھ برتی جانے والی غفلت اور ناروا سلوک کی شکایات کا سلسلہ ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ سرکاری ادویات جن پر "ناٹ فار سیل" لکھا ہوتا ہے میڈیکل ہالوں پر کھلے عام فروخت کر دی جاتی ہیں اور مریض حکومت کی طرف سے ملنے والی مفت طبی امداد سے محروم موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں وہ وہاں سے ننگے ہو کر نکلتے ہیں اور واپسی کرایہ کیلئے لوگوں سے خیرات مانگتے نظر آتے ہیں۔ وفد کے ارکان نے یہ مطالبہ بجا طور پر کیا کہ سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹروں پر پرائیویٹ کلینک کھولنے یا پریکٹس پر پابندی لگا دی جائے اور سرکاری ڈیوٹی دیانتداری سے انجام نہ دینے والے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کو کٹہروں میں کھڑا کر کے سزا دی جائے۔ یہ لوگ کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں بلکہ ہمارے اپنے ہی نظام کا ایک حصہ ہیں۔ ڈاکٹر پروفیسر نور احمد نور نے کیا خوب کہا کہ اگر ڈاکٹر ڈیوٹی کے دوران مریض کو اچھی طرح دیکھ لے تو انہیں گھروں میں مریض دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی اور مریض زیادہ زیر بار بھی نہیں ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ہسپتالوں کی صورتحال بہتر بنانے کیلئے فوری اقدامات کرے اور قومی خزانے پر بوجھ بننے والے ایسے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کو نکال باہر کرے جو ملازمت تو ہسپتال میں کرتے ہیں لیکن سوچتے اور کرتے اپنے پرائیویٹ کلینک کیلئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆